

واقعہ کربلا تاریخ انسانی کا سب سے بڑا حادثہ ہے

چوتھی صدی ہجری کے ایک تاریخی مباحثے کا تجزیہ

علامہ سید مجتبیٰ حسن صاحب قبلہ کامون پوری

مباحثہ

عبید اللہ نے کہا کہ ہم دونوں میں یہ بحث تھی کہ

مسلمانوں پہ سب سے برا وقت کون پڑا۔

۱۔ ہم میں سے ایک کا خیال ہے کہ تاریخ اسلام میں شدید ترین حادثہ ”قتل عثمان“ ہے اس لئے کہ یہ واقعہ فتنوں کی کلید بنا۔

۲۔ ہم میں سے ایک کی رائے یہ ہے کہ سب سے بڑا سانحہ ”قتل حسین ابن علی“ ہے اس لئے کہ اس کے بعد مسلمانوں کو حکومت سے کسی حسن سلوک اور عدل و انصاف کی امید نہیں رہی۔

ثالث نے متفقہ معیار پر فیصلہ کی بنا رکھی

حسین بن علیؑ کا تب نے کہا کہ اس کا فیصلہ بہت آسان ہے اور نہایت واضح ہے۔ اس میں شک کی گنجائش نہیں۔ عبید اللہ نے کہا اسے ذرا تفصیل سے بیان کرو۔ حسین ابن علیؑ نے ایک ایسا معیار واقعہ کی سنگینی و اہمیت کا پیش کیا جس نے انکار کے دہن پہ قفل چڑھا دیا اور گریز کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی۔ کا تب نے کہا اسلام میں وہ سانحہ جسے رسول اللہ عظیم ترین محسوس کریں۔ جو واقعہ خود پیغمبر اسلام کی نگاہ میں عظیم تر ہوگا وہی مسلمانوں کی نظر میں سنگین ہوگا۔ عبید اللہ ہنسے اور کہا کہ خدا تمہارا بھلا کرے۔ اے ابو عبید اللہ جو حق کا ساتھ دے گا وہ عادلانہ فیصلہ کرے گا۔

فیصلہ سننے سے گریز، نزاعی دعویٰ پر اصرار

معیار کے رخ سے دونوں سمجھ گئے کہ ثالث کا فیصلہ کیا۔

چوتھی صدی ہجری کے نہایت مشہور ادیب و مورخ ابو بکر

محمد بن یحییٰ صولی کا تب متوفی ۳۵۵ھ ۲۳۶ء نے اپنی کتاب ثمار القلوب فی المضاف والتوب (مطبوعہ مصر ۱۲۳۶ء) میں ایک مناظرہ کی روداد لکھی ہے۔ عبید اللہ بن سلیمان وزیر اور ابن اشنب میں یہ بحث چھڑ گئی کہ تاریخ اسلام میں سب سے بڑا حادثہ کون تھا؟ ابن اشنب حضرت عثمان کے قتل کو سب سے بڑا حادثہ کہتے تھے اور عبید اللہ بن سلیمان کا دعویٰ تھا کہ سب سے بڑا حادثہ امام حسینؑ کی شہادت ہے۔ بحث نے طول کھینچا۔ دونوں اسی خیال پر مصر رہے۔

ثالث کی تجویز

جب بحث کسی نتیجہ پر نہ پہنچی تو دونوں میں یہ طے ہوا کہ کوئی ثالث مقرر کر لیا جائے۔ ثالث کا جو فیصلہ ہوگا اس کے دونوں ہی پابند ہوں گے۔ اس مباحثے کے ثالث بن علی کا تب مقرر ہوئے ان کا بیان ہے۔ ایک دن میں عبید اللہ بن سلیمان (وزیر) کے پاس گیا۔ وہاں ابن اشنب اور انکے دادا بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ عبید اللہ بن سلیمان نے جب مجھے آتے ہوئے دیکھا تو کہا، اے ابو عبد اللہ ہم دونوں ایک مسئلہ پر بحث کر رہے ہیں اور اس پر راضی ہو گئے ہیں کہ جو پہلا شخص ہمارے پاس آئے اسے ثالث بنائیں۔ یہ معلوم کئے بغیر کہ ہم میں سے کس کی کیا رائے ہے تم بے لاگ سناؤ۔

موضوع بحث

ابن اشنب میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ معیار کو مسترد کر دیتے۔ وہ گھبرا گئے اور ثالث کو اتنا بھی موقع نہ دیا کہ وہ اپنی بات کو جاری رکھے۔ ثالث کی پوزیشن خود اختیار کر لی اور کہنے لگے رسول اللہ کے لئے سب سے بڑا حادثہ قتل عثمان ہے۔ اگرچہ عثمان کو حسین کے برابر رسول اللہ سے قربت نہ تھی لیکن اسلام کے لحاظ سے جناب رسول اللہ کی نظر میں عثمان ہی کا سانحہ شدید ہوگا۔

ابن اشنب کو وزیر کی تنبیہ

ابن اشنب نے ایک بری مثال پیش کی۔ ابتدا میں ان کو اختیار تھا کہ وہ ثالث کی تجویز کو قبول نہ کرتے یا معیار کی صحت سے انکار کر دیتے۔ لیکن تمام مراحل کے طے ہونے کے بعد فیصلہ کا انتظار نہیں کیا اور معیار کی اسپرٹ سے سمجھ گئے کہ فیصلہ کیا ہوگا۔ ثالث کی رائے کو نظر انداز کر دیا اور اپنی پہلی رائے پر اصرار کرنے لگے۔ عبید اللہ کو عہد شکنی ناگوار گزری۔ انہوں نے ابن اشنب سے کہا خاموش رہو۔ جب حقیقت تم پہ ثابت ہوگئی تو تم سیدھے راستے سے ہٹ گئے۔

(نثار القلوب، عبدالملک نیشاپوری صولی)

تیرہ سو سال کی رائے عامہ کا فیصلہ

اسلام کے ابتدائی ساڑھے تین سو سال میں مسلمانوں کا بناؤ بگاڑ سب کچھ ایک شکل اختیار کر چکا تھا۔ اسلام کا سب سے بڑا حادثہ کون تھا۔ یہ ایک علمی و تاریخی و دینی سوال تھا۔ تاریخ، معاشرت و اخلاق کی رو سے اس کا حل حسین ابن علی کا تب کے استدلال کی روشنی میں بہت آسان تھا۔ اس سوال نے موقع فراہم کر دیا تھا کہ ساڑھے تین سو سال کی طویل مدت میں مسلمانوں کی زندگی اور ان کے خیالات و افکار کا جائزہ لیا جائے۔ ابوبکر صولی نے ہماری منزل آسان کر دی۔ انہوں نے ایک مباحثہ کو ہم تک پہنچایا۔ جس میں ساڑھے تین سو سال کے اندر جس قدر اہم واقعات پیدا ہوئے ان سے چھانٹ کر

صرف دو واقعات کو منتخب کر لیا گیا۔ اور ان دونوں میں سے کسی ایک کی ترجیح پر بحث کا انجام موقوف ہو گیا۔

بنی امیہ نے امام حسینؑ کی شخصیت اور واقعہ کربلا کے اسباب پر پردہ ڈالنے کی پوری جدوجہد اس وقت کی جب وہ کربلا میں ان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے کے لئے تلواروں پر صیقل کر رہے تھے۔ اس حربہ کو بنی امیہ جمل و صفین میں آزما چکے تھے۔ خون عثمان کے نعرہ کو انہوں نے ایک خاص رنگ دیا تھا۔ اپنی جمعیت میں تنظیم اور جوش پیدا کرنے کے لئے وہ اس نعرہ سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ یزید نے اپنی حکومت میں ولید کو جو پہلا خط لکھا تھا۔ اس میں اپنے باپ کی طرح مسئلہ قتل عثمان کو آلہ کار بنانے کی کوشش کی تھی اور اس تہمت سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا تھا۔ خط میں اپنے باپ کی خبر موت درج کرنے کے بعد لکھا تھا۔ خوارزمی ۲۵۶۸ھ نے یہ خط نقل کیا ہے کہ:

”آل ابی تراب خوں ریزی میں بہت جری ہیں۔ میرے باپ نے مجھے ان کے متعلق وصیت کی ہے۔ خدا مظلوم عثمان کا بدلہ ابو تراب کی اولاد سے ابی سفیان کی اولاد کے ذریعہ لے لے گا۔ اس لئے کہ یہ حق کے مددگار اور عدل کے طلبگار ہیں۔ جب میرا خط تم کو ملے تو سب اہل مدینہ سے میرے لئے بیعت لو۔ بنی امیہ کبھی کہتے تھے کہ حسینؑ سے بدر کا قرضہ چکانا ہے۔ اور کبھی کہتے تھے کہ حسینؑ سے خون عثمان کا انتقام لیا جائے گا۔ ابن زیاد نے جب کربلا میں فوجی افسر عمر بن سعد کو خط لکھا کہ امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں پر سختی کی جائے اور ان پر پانی بند کر دیا جائے تو اس خط میں یہ الفاظ بھی تھے کہ حسینؑ اور ان کے اصحاب پر پانی بند کر دو۔ ایک قطرہ پانی نہ پینے پائیں جیسا کہ عثمان کے ساتھ کیا گیا۔ یہ خط مورخ ابوحنیفہ دینوری م ۳۸۱ھ نے بھی اخبار طوال میں نقل کیا ہے۔ عین جنگ میں بھی یہ خیال زبان پر آتا رہا۔ عروہ بن قیس نے حضرت بن قیس سے کہا کہ آپ تو

عثمانی تھے۔ اہلبیت کے عقیدت مند نہ تھے۔ حضرت زہیر نے کہا کہ اس وقت میری موجودگی تمہیں یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ اب میری کیا رائے ہے مزاحم بن حریث نے حضرت نافع بن ہلال کے مقابلے میں کہا تھا ”انا علی دین عثمان“ میں عثمان کے دیں پر ہوں۔

(مقتل الحسین طبری، ماخوذ از تاریخ طبری، ج ۶ ص ۳۴۹)

جب حکومت کی طرف سے شہادت کی خبر مدینہ پہنچی اور سارا مدینہ آہ و فغاں سے پر ہو گیا تو مدینہ کے اموی گورنر عمر بن بصیر نے ہنس کر کہا۔ یہ فریاد اس فریاد کے عوض میں ہے جو قتل عثمان میں بلند ہوئی تھی۔ ۶۶ھ میں یہ نعرہ سنا گیا۔

(مقتل الحسین ابن اثیر۔ ماخوذ از تاریخ کامل ابن اثیر ص ۴۲)

جب حضرت مختار ثقفی کی جماعت قاتلانِ امام حسینؑ سے خونِ امام کا بدلہ لینے کے لئے مقام ”حبانہ“ میں پہنچی ہے تو اس نے کہا ”یا لشارات الحسین“ خون حسینؑ کے انتقام کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔ اس کے جواب میں دشمن کے کیمپ میں یزید بن عمر نے یا لشارات عثمان کا نعرہ لگایا۔ بنی امیہ کے زوال کے بعد یہ نعرہ دم توڑ چکا تھا۔ ورنہ ابن اشنب واقعہ قتل عثمان اور واقعہ کربلا میں قتل عثمان کو ترجیح دینے کے بجائے یہ کہہ دیتے کہ واقعہ کربلا خون عثمان کا رد عمل تھا۔ ایک چھوٹی سی جماعت مسلمانوں میں سے ایسی رہی ہے جو واقعہ کربلا کے لامحدود اثرات سے گھبراتی تھی۔ اس کے نشانات کو مٹانے اور اس کی ترقی کو روکنے کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کرتی رہی۔ کبھی محرم میں عبد اللہ بن زہیر کا جلوس نکالا گیا تاکہ ان کے قتل کو واقعہ کربلا کا ہم پلہ قرار دے کر مسلمانوں کی توجہ اس واقعہ کی انفرادیت سے ہٹا سکیں۔ حضرت عثمان کا قتل یا کوئی دوسرا واقعہ سانحہ کربلا سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ دونوں کے مقاصد اور طریقہ کار اور نتائج بالکل جدا گانہ ہیں۔ امام حسینؑ مرکز فضائل تھے۔ یہ سانحہ مذاہب عالم کی تاریخ میں

اپنی آپ مثال ہے۔ تیرہ سو سال کی طویل مدت میں ہر مذہب و ملت اور قوم کی رائے عامہ نے واقعہ کربلا کی انفرادیت کو تسلیم کر لیا۔ ساتویں صدی ہجری کے مشہور مسیحی مورخ مارکر لیفورس اپنی تاریخ مختصر الدول ص ۱۷۹ میں لکھتے ہیں۔ لوگ عثمان کی چند باتوں سے ناراض ہو گئے۔ وہ اپنے اقارب پر فریفتہ تھے رسول اللہ ﷺ نے حکم بن عاص کو جلا وطن فرمایا تھا۔ عثمان نے اس کو پناہ دی۔ عبد اللہ بن خالد کو ۴ لاکھ درہم دے حکومت ہونے کے بعد منبر رسولؐ کے اس عرشہ پہ بیٹھ گئے۔ جس پر رسول اللہ ﷺ ہوئے تھے۔ ابو بکر ایک اعلیٰ درجہ اور عمر دو درجہ نیچے تھے۔ لوگوں نے ان کی ان باتوں پر اعتراض کیا۔ عثمان نے کہا یہ اللہ کا مال ہے میں جس کو چاہوں دوں گا اور جسے نہ چاہوں گا نہ دوں گا۔ عمار یا سرنے اس تقریر پر اعتراض کیا جس پر بنی امیہ نے ان کو اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ عرب سے بہت غصہ ہوئے۔ اور لوگوں کو اکٹھا کیا۔ مدینہ سے ایک فرسخ دور پر پڑاؤ ڈالا، عثمان کے پاس یہ پیام دے کر کسی کو بھیجا کہ یا تو سیدھے ہو جاؤ، اعتدال سے کام لیا معزول ہو جاؤ۔ عثمان کے خلاف جو لوگ سب سے زیادہ پیش پیش تھے ان میں طلحہ وزبیر اور حضرت عائشہ کا نام خاص طور پر آتا ہے۔ عثمان نے ان لوگوں کو خط لکھا۔ تم لوگوں نے میری جن جن باتوں کو نا پسند کیا۔ میں ان سے توبہ کرتا ہوں۔ لیکن ان لوگوں نے بات قبول نہ کی۔ ۳۰ دن تک ان کو محاصرہ میں رکھا۔ عثمان نے علیؑ کو لکھا کہ کیا آپ پسند کریں گے کہ آپ کے چچا کا بیٹا (خود) قتل کیا جائے اور آپ کا ملک چھین لیا جائے۔ علیؑ نے کہا بخدا مجھے یہ منظور نہیں۔ حسنؑ و حسینؑ کو ان کے دروازے پر حفاظت کے لئے بھیج دیا۔ محمد بن ابی بکر و شخصوں کے ساتھ چھت پھاند کر گھر میں داخل ہوئے۔ ایک نے ان کی گردن پر تلوار ماری۔ اور دوسرے نے انہیں قتل کر دیا۔ مورخ، مارکر لیفورس نے تاریخ میں ایک مختصر کتاب لکھنے کا عہد

مثالیں دے دیا کرتے ہیں۔ لیکن ذرہ کو صحرا اور قطرہ کو دریا سے کیا نسبت۔ جتنے اعلیٰ خیالات دنیا کی مختلف قوموں کے اعلیٰ افسانوں نے اور برآوردہ مسلمانوں نے واقعہ کربلا کے متعلق ظاہر کئے ہیں۔ کسی دوسرے واقعہ کی اس کے پاسنگ بھی قیمت نہیں نکالی گئی۔ بعض دوسرے واقعات فتنہ و تخریب کی آگ بھڑکانے کے لئے ضرور کچھ دنوں زندہ رکھے گئے۔ لیکن تعمیر ملی کے ایوان اور قصر انسانیت کی عمارت میں ان سے ایک اینٹ کی جگہ بھی پر نہیں کی گئی کلام و فلسفہ و اخلاق و تاریخ و سیاست و ادب پر جس وقت واقعہ کربلا اثر انداز ہوا اس کی مثال نہیں ملتی۔

بس تنگ نہ کرنا صحیح ناداں مجھے اتنا
یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی
واقعہ کربلا جس عظیم ہستی کی طرف منسوب ہے وہ مرکز فضائل تھے۔ اس لئے ان سے کسی کم درجہ کے انسان کا کوئی فعل اس کے مقابلے میں نہیں لایا جاسکتا۔ خود واقعہ کربلا اپنی افادیت و ہمہ گیری اور عظمت و اہمیت کو تیرہ سو سال کی مدت میں ہر عہد کے بڑے انسان سے منواتا رہا ہے۔ اس واقعے کی یاد نے امام شافعیؒ کی آنکھوں کی نیند اڑادی اور ان کے بال سفید کر دئے۔ ان کے خیال میں واقعہ کربلا سے دنیا میں زلزلہ آگیا اور قریب تھا کہ سخت سے سخت پہاڑ اس غم میں گھل جائیں۔ وہ حسینؑ شہید کو بے جرم و گناہ مقتول سمجھتے تھے اور اس شعر میں ان کے جس قدر تیز نشتر چبھے ہوئے ہیں ان سے باطل کی رگ حیات قطع ہو جاتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کس قدر حیرت ہے کہ رسول خداؐ پر ہر نماز میں درود بھیجا جاتا ہے اور ان کی اولاد کو قتل کیا جاتا ہے۔ امام شافعیؒ نے یہ مضامین جن شعروں میں نظم کئے ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں

تَأْوِبُ هَمِّي وَالْفَوَادُ كَعَيْبِ
وَأَرْقُ عَيْنِي وَالرَّقَادُ غَرِيبِ

کیا تھا۔ اس لئے اس نے اپنی کتاب میں مسلمانوں کے احساسات کی مختصر سے مختصر فہرست درج کی۔ بیسویں صدی مسیحی کے دو مصری مورخ محمد فخر الدین مرحوم استاد تاریخ دارالعلوم و عمران فرج الجبل اپنی مشترک کتاب تاریخ الضراعتہ (ص ۱۳۵ مطبوعہ ۱۹۲۷ء) میں لکھتے ہیں۔ بہت سے مسلمانوں نے ان کو تمہم قرار دیا کہ یہ اپنے اموی عزیزوں کی جنبہ داری کرتے تھے مادر مفتوحہ ممالک کا ان کو حاکم بنا دیا تھا۔ مصر و عراق کے بہت سے عوام ان کے پاس گئے۔ ان کے ساتھ بعض صحابہ زادے بھی تھے ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا گیا اور چھت پھاند کر گھر میں گھس گئے اور قتل کر ڈالا۔

ایک ساتویں صدی ہجری کے مصری مورخ اور دوسرے چودھویں صدی کے مسلم و مسیحی مورخین کی رائے حضرت عثمان کے واقعہ قتل کے اسباب کے متعلق پیش کی گئی۔ تاریخ الضراعتہ کے مولف محمد فخر الدین مرحوم مصر کے ایک عقیدت مند فاضل مسلمان تھے۔ ان دونوں عبارتوں سے حضرت عثمان کے قتل کے اسباب بے نقاب ہو جاتے ہیں اور مزید کسی تبصرے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔ حضرت عثمان کے خود غرض حاشیہ نشین ان کی موت کا باعث ہوئے۔ حضرت عثمان کی ناکام سیاست نے ہر طبقہ میں ان کے مخالف پیدا کر دئے نہایت نیک دل، پاکباز و سربرآوردہ مشیروں کے خلوص و صداقت کے فائدہ سے انہوں نے اپنے کو محروم کر رکھا تھا۔ حضرت عثمان کا واقعہ اس وقت اس مصرع کے مطابق زیر نظر ہے۔

مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات۔

ورنہ واقعہ کربلا کی سطح اتنی بلند ہے کہ تاریخ انسانی کا کوئی حادثہ بھی اس کے مد مقابل نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ ہلاکت و شہادت، معمولی واردات، عادی موت اور با مقصد موت میں فرق نہیں کر پاتے وہ واقعہ کربلا کے مقابلے میں کبھی کبھی دو ایک

وَمِمَّا نَفَعِي نَوْمِي وَ شَيْبَ لَمْتِي
تَصَارِيفِ أَيَّامٍ لَهْنِ خَطُوبِ

✽

تَوَلَّزْتُ الدُّنْيَا لَأَلِّحَ مُحَمَّدًا
وَ كَادَتْ لَهُمْ صَمَّ الْجِبَالِ تَذُوبُ
قَتِيلِ بَلَا جُرْمِ كَأَنَّ قَمِيصَهُ
صَبِغُ بَمَاءِ الْا رَجْوَانِ خَضِيبُ

✽

يُصَلِّي عَلَى الْمُخْتَارِ مِنْ آلِ هَاشِمٍ
وَتَغْزِي نَبُوهُ أَنَّ ذَالْعَجِيبِ

(منقول الحسین خوارزمی جلد ۲ ص ۷۹)

امام شافعیؒ نے اور دوسرے اشعار میں بھی بعض حلقوں کی اہلیت کے ساتھ بے رخی، بے تعلقی بلکہ علیحدگی پسندی کا ذکر کیا ہے۔

سلطان الہند خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے ایک مصرع میں واقعہ کربلا کی جو قدر و قیمت لگائی گئی ہے اسے پھیلا کر بیان کرنے کے لئے دفتر کے دفتر پر کرنے کی ضرورت ہے۔ کس قدر حاوی اور وسیع دامن مصرع ہے:

حقاً کہ بنائے لا الہ است حسینؑ
بیسویں صدی مسیحی کے مشہور مسلمان فلسفی و شاعر علامہ ڈاکٹر اقبال نے واقعہ کربلا کی ابدی قدروں کو دیکھ لیا ہے۔
مثنوی رموز بے خودی میں فرماتے ہیں:

آن امام عاشقان پور بتول
سرو آزادی زبستان رسولؐ
اللہ اللہ بای بسم اللہ پدر
معنی ذبح عظیم آمد پسر
درمیان امت آن کیوان جناب
ہم چو حرف قل ہواللہ در کتاب

بہر آن شہزادہ خیر الملل
دوش ختم مرسلین نعم الجمل
موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید
این دو قوت از حیات آمد پدید
زندہ حق از قوت شبیری است
باطل آخر داغ حسرت میری است
چون خلافت رشتہ از قرآن گسیخت
حریت را زہر اندر کام ریخت
خواست آن سر جلوۂ خیر الامم
چون سحاب قبلہ بر باران ستم
بر زمین کربلا بارید رفت
لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
تا قیامت قطع استبداد کرد
موج خون او چمن ایجاد کرد
بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است
پس بنائے لا الہ گر دیدہ است
مدعایش سلطنت بودے اگر
خود نکر دی با چنین سامان سفر
دشمنان از ریگ صحرا لاتعد
دوستان او بہ یزدا ہم عدد
سر ابراہیم و اسماعیلؑ بود
یعنی آن اجمال را تفصیل بود
تیغ بہر عزت دین است و بس
مقصد او حفظ آئین است و بس
ماسوی اللہ را سلمان بندہ نیست
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست
خون او تفسیر این اسرار کرد
ملت خوابیدہ را بیدار کرد

عبید اللہ نے جو دعویٰ کیا تھا وہ علم و معرفت و اطلاع و نظر پر مبنی تھا۔ یہ دعویٰ حقیقت کی بنیاد پر قائم کیا گیا تھا۔ سورج کی کرن کی طرح ذہن میں پھیلتا رہا۔ ساتویں صدی ہجری میں خواجہ معین الدین حسن سنجر (جمیری) (۶۳۳ھ - ۶۳۵ھ) نے اس تصور کو

دین است حسین دین پناہ است حسین
حقاً کہ بنائے لا الہ است حسین
کہہ کر اظہار و اعتراف کی مثال قائم کی۔ پھر بیسویں صدی میں شاعر مشرق نے اس تصور کو پھیلا دیا اور
پس بنائے لا الہ گردید است

کہہ کر سلطان الہند غریب نواز خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خیال کی تجدید کی اور اپنی مثنوی میں اس موضوع پر اتنے اونچے خیالات کا اظہار کیا کہ اس کی شرح و تفسیر کے لئے ایک ضخیم تالیف کی ضرورت ہوگی۔ شہید کر بلا کو امام عاشقاں ”کہا“، سرو آزاد بتان رسول کہا۔ امت مسلمہ میں ان کی وہ حیثیت تجویز کی جو سورہ قل ھو اللہ کی قرآن مجید میں ہے ان کو حق و باطل کی ابدی معرکہ آرا قوتوں میں حق کا مظہر قرار دیا۔ کہا کہ حق شبیر کی قوت سے زندہ ہے۔ کہا کہ امام ہمیشہ کے لئے استبداد کی شہ رگ کو قطع کر گئے۔ بڑی قوت سے اس غلط فہمی کا ازالہ کیا کہ امام کا مقصد حصول سلطنت تھا۔ امام کو سرابراہیم و اسماعیل اور ان کے اجمال کی تفصیل کہا۔ بتایا کہ امام کی شہادت نے ہماری نجات کا انتظام کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن کے رموز کی تعلیم ہمیں حسین سے ملتی ہے۔ آخر میں انہوں نے ایک ایسی بات کہہ دی جس سے ابوالقاسم عبید اللہ بن سلیمان وزیر عباسی کی روح بالیدہ ہو گئی ہوگی۔ ابن اشنب کی حق پوشی اور اعتراف حقیقت کے بغل سے انہیں جو تکلیف پہنچی تھی شاعر مشرق کے اس روشن اعتراف پر ان کی روح نے مرجہا کہا ہوگا۔

تبغ لا چون از میان بیرون کشید
از رگ ارباب باطل خون کشید
نقش الا اللہ بر صحرا نوشت
سطر عنوان نجات ما نوشت
رمز قرآن از حسین آموختیم
ز آتش او شعلہ ہا اند و ختیم
شوکت، شام و فر بغداد رفت
سطوت غرناطہ ہم از یاد رفت
تار مار از زخمہ اش لرزاں ہنوز
تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز
ای صبا ای پیک دور افتادگان
اشک ماہر خاکِ پاکِ او رسان
اس نظم سے پورا مقتل الحسین تیار ہو سکتا ہے۔ اور اس کے اسباب و نتائج پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے بلکہ پوری اسلامی تاریخ ایک نئے تصور سے مرتب ہو سکتی ہے۔ جس میں اہلبیت کا وجود پوری اسلامی تاریخ پر چھایا ہو محسوس ہوگا۔
واقعہ کر بلا کے مطالعہ میں ذہن انسانی نے کتنی ترقی کی ہے۔ اس کا اظہار شاعر مشرق علامہ اقبال علیہ الرحمہ کی اس عظیم الشان نظم کے ہر مصرعے بلکہ ہر جملے اور ہر فقرے سے ہوتا ہے۔ تیسری صدی کے وسط میں ابوالقاسم عبید اللہ بن سلیمان متوفی ۲۸۸ھ وزیر خلیفہ معتمد عباسی نے جس مسئلہ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا تھا اور علی ابن الحسین کا تب کے فیصلے نے جس پر مہر تصدیق ثبت کی تھی، ابن اشنب کے انکار و تعصب و تنگدلی و حق پوشی سے وہ خیال مردہ نہ ہو سکا۔ ابوالقاسم کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ ان کا پورا خاندان علم و فضل کا گلستان تھا۔ ان کے باپ سلیمان سرآمد روزگار شخص تھے۔ خلیفہ معتمد عباسی کے وزیر تھے۔ عبید اللہ بھی علم و فضل و سیاست میں یگانہ روزگار تھے۔ (تاریخ الغزوی ابن الفظفی ص ۱۸۷)

بے نظیر ہے بلکہ تاریخ انسانی میں بھی ایسی کوئی دوسری مثال نہیں ہے۔ یہی ایک حادثہ ہے جس پر نوع انسانی اشک ریز ہوگی۔ کیا ہندو کسی پر اس طرح روئے۔ کیا عیسائی اپنے کسی شہید پر اس طرح اشکبار ہوئے۔ کیا بدھشت میں ایسی کوئی مثال ہے۔ کیا پارسیوں میں ایسی کوئی قربانی ہے جس کا اس قدر احترام کیا جاتا ہو۔ پرانی تاریخ میں ایسے غمنا کی عمیق اور گہرا سوز واقعہ کر بلا سے مخصوص ہے جسے ہر قوم نے محسوس کیا۔
(بقیہ صفحہ نمبر ۱۰۳ پر۔۔۔۔)

کچھ لوگ مسلمانوں کے کارناموں میں فتوحات کی قیمت بہت لگایا کرتے ہیں لیکن علامہ اقبال نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ تاریخ اسلام کا سب سے بڑا کارنامہ واقعہ شہادت امام حسینؑ ہے۔ اموی و عباسی اور دوسرے فتوحات اس کے مقابلے میں نہیں لائے جاسکتے۔ آج نہ شام کی حکومت ہے نہ بغداد کی۔ غرناطہ کی یاد تک دل میں نہ رہی۔ لیکن امامؑ کی تکبیر سے آج بھی ہمارا جہاں تازہ ہے اور ہماری زندگی میں بیداری ہے۔ صرف یہی نہیں کہ واقعہ کر بلا تاریخ اسلامی میں

سلام

قائم مہدی نقوی تذبذب نگروری، لکھنؤ

جج کیجئے یہاں آ کے، یہاں کعبے بنے ہیں
ہم ماتم سرور کے لئے لائے گئے ہیں
سورج ہیں، غم سبط پیمبرؐ میں اُگے ہیں
حرّ شام کے زندان سے آزاد ہوئے ہیں
شبیرؑ کیجئے سے لگانے کو کھڑے ہیں
یوسفؑ کی قسم مصر کے بازار سجے ہیں
گلتا ہے ادھر حضرت عباسؑ کھڑے ہیں
اس واسطے مقتل کی رضا مانگ رہے ہیں
عباسؑ سے نیزوں کے ہنر سیکھے ہوئے ہیں
قرآن کے سوروں کی زباں بول رہے ہیں
روکا تو رکے، شاہ چلے ہیں، تو چلے ہیں
یہ ثانی زہراؑ نے ہمیں تحفے دیئے ہیں
”جس گھر میں علم ہے وہاں عباسؑ بسے ہیں“
شبیرؑ نے شمشیر تلے سجدے کئے ہیں
تا حدِ نظر راہ میں زخموں کے دیئے ہیں
اے بابا! سکینہؑ نے بہت رنج سہے ہیں
اصغرؑ نے تبسم سے عجب وار کئے ہیں
تذبذب کے اشعار اگر اچھے لگے ہیں

یہ ہند ہے، ہر گھر میں عزا خانے سجے ہیں
کہنے کو تو دنیا میں بہت آئے گئے ہیں
پلکوں کے کناروں پہ جو یہ اشک رکے ہیں
گر چاہتے ہو نورِ سحر مانگ لو حرّ سے
کس اوج پہ ہے خُتری قسمت کا ستارا
اکبرؑ کی زیارت کے لئے کرب و بلا میں
جس سمت عزا خانے میں ہے پرچمِ عباسؑ
قاسمؑ کو مزا موت کا کیا ہے، یہ پتہ ہے
زینبؑ کے پسر کیوں نہ کریں رن پہ چڑھائی
یہ ایسا گھرانہ ہے جہاں پیر و جواں سب
کیا شان ہے انصارِ حسین ابن علیؑ کی
تابوتِ علم، تعزیے اور مجلسِ سرور
ویرانیاں اُس گھر کی طرف آ نہیں سکتیں
گر شہؑ سے محبت ہے تو سجدے کرو تم بھی
لو دیتے ہیں سجادؑ کے قدموں کے نشانات
یوں خواب میں بیٹی نے کیئے بین پدر سے
سب اہلِ ستم پھیر کے منہ روتے ہیں اپنا
ہر ایک عزادار دعاؤں سے نوازے

